سمیرا عمر
استاد شعبہ اردو،گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین سرگودھا

محمد الیاس کے ناولوں میں شدت پسندی کی پیشکش

Sumaira Umar

Assistant Professor, Department of Urdu, Post Graduate College for Women, Sargodha.

The Presentatıon of Fundamentalısm ın Muhammad Ilyas' Novels

Literature cannot be alienated from society and life. Pakistan is suffering from terrorism since last two decades. It is the fruit of fundamentalism. Pakistani writers felt this situation by heart. They have represented different aspects of terrorism which really destroying the life of Pakistani People. Muhammad Ilyas in his gigantic novels presented the fundamentalist forces, their system and the characters which support this approach. In this article the representation of fundamentalism and terrorism in his novels is analyzed. Through the analysis of the ideas and characters presented in his novels it is tried to understand the situation of contemporary Pakistan.

Keywords: *Fundamentalism, Terrorism, Urdu Novel, Muhammad Ilyas.*

محمد الیاس کے ناول پاکستانی سماج کی حقیقت پسند تصویریں ہیں۔ یہ کتب محض وقت گزاری کا مشغلہ یا تفریح کا ذریعہ نہیں ہیں۔ ان ناولوں سے ایک درد مند دل کی خبر ملتی ہے، جو اپنے ارد گرد ہونے والے انسانی المیوں کا گہرا مشاہدہ رکھتا ہے۔ اسے انسانوں کی تکلیفوں سے دل چسپی ہے اور ان کی خوشیوں سے بھی لگاؤ ہے۔ الیاس نے پاکستان میں جاری تشدد کی لہر کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔ ان کے ناولوں میں اس لہر کی مختلف صورتوں کا بیان ملتا ہے۔ ان کے ناول تشدد پسند ذہن کی تشکیل کرنے والے گروہوں، عام آدمی کا ذہنی استحصال کرنے والے تشدد پسندوں اور غریب آدمی کو تشدد کی بھٹی میں جھونک کر منافع کمانے والوں کے خفیہ عزائم کو سامنے لاتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں مختلف جگہوں پر ایسے افراد کے قول اور فعل میں پائے جانے والے تضادات کو دکھایا گیا ہے، جو سادہ لوح عوام کو کبھی مذہب کے نام پر اور کبھی وطن دوستی کی آڑ میں اپنے ذاتی مفادات کے لیے بے وقوف بناتے ہیں۔ اس پہلو پر ان کے قریب ہر ناول سے مثالیں مل جاتی ہیں۔ خاص طور پر برف میں پاکستان کے اندر دہشت کی فصل جس طرح تیار کی گئی، اس کے لیے کون کون سے تصورات کو استعمال کیا گیا،

ریاست کا اس سلسلے میں کیا کردار تھا اور عام آدمی نے کہاں مار کھائی، اس سارے عمل کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ جہادی تنظیموں کی تشکیل، راسخ العقیدگی، فرقہ پسندی، شہید سازی، دہشت گردی کے نقصانات اور ان سب کی تعمیر کرنے والے تصورات کو برف میں جگہ دی گئی ہے۔ یہ ناول اس حوالے سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں پاکستان سماج کے اہم ترین مسئلے کو غیر جانبداری سے زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس ناول کے مطالعے سے جو بات سامنے آتی ہے اس کے نتیجے میں الیاس ایک ایسے ادیب کے طور پر سامنے آتے ہیں جو اپنے سماج کے المیوں کو نہ صرف محسوس کرتا ہے، بلکہ بڑی جرأت کے ساتھ اسے اپنے فن کا حصہ بھی بناتا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی بھی ڈالتا ہے۔

راسخ العقیدگی اور تنگ نظری، شدت پسندی کی اہم وجوہ ہیں۔ الیاس نے برف میں ایسے تصورات کو پیش کیا ہے، جو تنگ نظری کا سبب بنتے ہیں۔ ان میں فرقہ پرستی سب سے اہم ہے۔ اپنے خاص مسلک سے محبت رکھنا ایک اہم قدر ہے، تاہم دوسرے مسلکوں سے نفرت کرنا ایک منفی جذبہ ہے۔ اس جذبے کے تحت دشمن بنائے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے تاریخ کے سیاسی اور انتظامی فیصلوں کو عقائد کا مسئلہ بنا دیا جاتا ہے۔ الیاس نے دکھایا ہے کہ کس طرح لوگ اس بات کو باور کر لیتے ہیں کہ صرف ان کا مسلک ہی صحیح عقیدے پر قائم ہے اور باقی سب غلط عقائد کا شکار ہیں۔ یہی بات آگے چل کر بدعقیدہ لوگوں سے نفرت سکھاتی ہے اور یہ نفرت بالآخر مختلف عقیدہ رکھنے والوں کو قتل کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ خوف ناک حقیقت ہے کہ مسلکی عصبیت جب ایک خاص حد سے بڑھتی ہے، تو دوسرے مسالک کو واجب القتل قرار دیتی ہے۔ نفرت انگیزی کی یہ فصل اس مذہب کے نام پر اگائی جاتی ہے جو سراسر سلامتی ہے۔ مسلکی عصبیت پھیلانے والے دیگر عقائد کے حامل مسالک کو قتل کرنا کارِ ثواب قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثال الیاس کے ناول بارش میں بھی ملتی ہے۔ اس ناول کا ایک کردار ذبیح اللہ ایسا شخص ہے، جو مسلکی بنیادوں پر کی جانے والی قتل وغارت کا زبردست حامی ہے۔ اس کا کہنا ہے:

"برے انسان اور غلط عقیدے کے پیروکار نام نہاد مسلمان کو قتل کرنا عین عبادت ہے۔"(۱)

ذبیح اللہ نے قتل وغارت کو عبادت قرار دیا ہے۔ وہ یہاں تک شدت پسند ہے کہ غیر مسلموں کے مقابلے میں دیگر مسالک کے مسلمانوں کو امت کے لیے زیادہ نقصان دہ سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ غیر مسلم، ہندو، عیسائی، یہودی وغیرہ تو کھلے اسلام دشمن ہیں، ان سے اسلام کو خطرہ نہیں، اصل خطرہ ان مسلمانوں سے ہے، جو محض نام کے مسلمان ہیں۔ ان کی بدعقیدگی اتنا بڑا جرم ہے کہ اس ضمن میں کسی کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ ذبیح اللہ علی الاعلان کہتا ہے کہ عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا، ہر بدعقیدہ شخص کی جان لینا ضروری ہے۔ وہ اسے اہم ترین "فرض" کہتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مسلمانوں نے بہت سی بدعتوں کو اسلام میں جاری کر دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے عبادت خانے مسجدیں نہیں بلکہ وہ انہیں بت خانے کہتا ہے اور واضح طور پر بتاتا ہے کہ ان عبادت گاہوں کا احترام نہیں کرنا چاہیے۔ وہ تنبیہ کرتا ہے کہ چاہے ان عبادت گاہوں کو مساجد کا نام دیا گیا ہو، ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ

"مسجد صرف وہی قابل احترام ہے، جو صرف صحیح اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے تصرف میں ہے۔"(۲)

اس کے نزدیک ایمان کی مضبوطی کی دلیل یہی ہے کہ انسان بغیر رحم کھائے قتل کرے۔ وہ تاکید کرتا ہے کہ اگر "نام نہاد" مسلمانوں کو قتل کرتے ہوئے دل میں رحم کا مادہ پیدا ہو جائے تو یہ "کمزور" ایمان کی نشانی ہے۔ اس قتل و غارت سے اگر کسی کو چھوڑا جا سکتا ہے، تو محض اسے، جو "آپ" کا عقیدہ قبول کر لے۔ ایسے شخص کو معافی مل سکتی ہے جو "صحیح" عقیدہ کی طرف آ جائے، اسے معاف کر دیا جائے اور جو اپنے عقیدے پر قائم رہے، اسے انفرادی اور اجتماعی سب سطحوں پر بے دریغ قتل کیا جائے۔ ان لوگوں سے جنگ کی جائے، جو عورتیں ملیں انہیں لونڈیاں اور جو مرد بچ جائیں انہیں غلام بنا لیا جائے۔ اس کا نقطہ نظر ہے کہ تمام شعائر مذہبی کو بذور شمشیر نافذ کیا جائے۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی رعایت نہ برتی جائے۔ ذبیح اللہ کے تصورات کے مطابق ہر ثقافتی عمل فحاشی اور بدعت میں شامل ہے۔ اس کی شریعت ہر اس انسانی عمل کو ناجائز سمجھتی ہے، جس سے انسانوں کو خوشی ملنے کا احتمال ہو۔ اپنے نظریات میں وہ اس قدر متشدد ہے کہ لڑکیوں کے تمام تعلیمی اداروں کو بند کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ اس کی سمجھ کے مطابق مذہب میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اسکول کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتا ہے کہ مذہب میں سات سال کی بچی کے گھر سے نکلنے کی ممانعت ہے۔ سو اگر بچی گھر سے نہیں نکل سکتی۔ تو تعلیمی ادارے بنانے کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔ اس کی تجویز ہے کہ پندرہ برس کی عمر تک پہنچ کر ہر لڑکی بالغ ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہر صورت اس کا نکاح کر دینا ضروری ہے۔ وہ تمام فنون لطیفہ کو "بے ہودگی" اور "کھیل تماشے" قرار دیتے ہوئے سختی سے رد کرتا ہے۔

ذبیح اللہ کے ان خیالات کا جائزہ لیں، تو یہ ایک متشدد ذہن کے وہ تمام تصورات ہیں، جن کی مختلف صورتیں پاکستانی سماج میں نظر آتی ہیں۔ یہ عجیب و غریب ہے کہ اس تعمیر کی تان لڑکیوں کی کم سنی کی شادی پر آ کر ٹوٹتی ہے۔ چار چار شادیوں کو فحاشی کا علاج تصور کیا گیا ہے۔ ان تصورات کے تحت دنیا صحیح اور غلط دو حصوں میں تقسیم ہے۔ صحیح کا معیار "شریعت" کا وہ تصور ہے، جو اس طرح کے افراد اور خود ساختہ علماء قائم کرتے ہیں۔ انہیں میں مولوی ثاقب بھی شامل ہے۔ جو بزور کہتا ہے، جسے علماء واجب القتل قرار دیں، اسے ہر صورت قتل کرنا اولین فرض ہے۔ یہ شخص ایسے افراد کی تصویر ہے، جو عقائد میں شدت پسند ہوں، جن کے نزدیک دنیا میں صرف انہیں ہی جینے کا حق حاصل ہے اور وہ جب چاہیں، دوسروں کو اپنے عقائد کی روشنی میں جہنم رسید کر دیں۔ یہ ایسا شخص ہے جو ہر انسانی تدبیر کو خدائی تقدیر کی ضد تصور کرتا ہے۔ حالانکہ ایک سادہ بات نظر انداز کرتا ہے کہ اگر خدا نے مختلف عقائد کے لوگ پیدا کیے ہیں، تو انہیں قتل کرنا بھی خدائی کاموں میں بے جا دخل اندازی ہے۔ بہر کیف اسے تو تخریب سے دلچسپی ہے۔ مولوی ثاقب کا خیال ہے کہ ہسپتال اور انسانی جان بچانے کے تمام طریقے خدائی کاموں میں دخل اندازی ہیں۔ جان بچانے کے لیے خون کا عطیہ کرنا یا اعضاء کی پیوند کاری کرنا، سب حرام ہیں۔ یہ عجیب ہے کہ عام طریقوں یعنی ادویات کے ذریعے علاج تو اس کے نزدیک جائز ہے، تاہم آپریشن، انتقال خون اور اعضا کی پیوند کاری ناجائز ہیں۔ یہ خدا کے کاموں کو اپنے ہاتھ میں لینے کے برابر ہے۔ اپنی بات میں پائے جانے والے

تضاد کو وہ خود سمجھنے سے قاصر ہے۔ اگر جان بچانا حرام ہے، تو پھر ادویات کے ذریعے علاج کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ ادویات کے ذریعے بھی جان بچائی جاتی ہے اور سرجری کے ذریعے بھی۔ ایک ذریعے کو حلال اور دوسرے کو حرام سمجھنا کم فہمی کی دلیل ہے۔

یہ خیالات ایک ایسے شخص کے ہیں جو عسکری تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ الیاس نے مولوی ثاقب کے ذریعے ایسے افراد کا تعارف کروایا ہے جو اپنے تصورات کی مدد سے عام لوگوں کو شدت پسند تنظیموں کا حصہ بناتے ہیں۔ ایک طرف اس کے خیالات انسان کو بے بس ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں، تو دوسری طرف یہ صاحب انسانی جان و مال پر بھی محض عقیدے کی بنا پر تصرف جتا رہے ہیں۔ اور تصرف کی انتہا یہ کہ اس نے دوسروں کی زندگیوں کو بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ جو اپنے پیروکاروں کو اس بات پر تیار کر رہا ہے کہ قتل و غارت گری کا بازار گرم کریں اور دنیا کو ان کے مسلک کے علاوہ دیگر عقائد رکھنے والوں سے پاک کر دیں۔

محمد الیاس نے اپنے ناولوں میں ایسے افراد کے دعوؤں اور بیانات کو بھی شامل کیا ہے، جن کی مدد سے وہ سادہ لوح لوگوں کو اپنے دام میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے بیانات کو عموماً طنز کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ ان میں ایسے بیانات شامل ہیں جو خود ساختہ دشمن ممالک کے حوالے سے ہیں۔ یہ ایسے بیان ہیں جن میں عوام کی اکثریت کو دشمن ممالک سے خوف دلایا جاتا ہے اور انہیں نفرت پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ ایسے ممالک کے بارے عموماً دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ مذہب دشمن ہیں، جو ہمارے مذہب کو نقصان پہچانے کے درپے ہیں۔ اس ذیل میں وہ ہمارے عقائد، ثقافت اور تہذیب کو نشانہ بناتے ھیں۔ جب پوچھا جاتا ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں، تو جواب نہایت سادہ اور فوری ہوتا ہے کہ وہ ہمارے غلبے سے خوف زدہ ہیں۔ انہیں علم ہے کہ جیسے ہی ہم صحیح اصولوں پر چلنا شروع کر دیں گے تو دنیا کے تمام ممالک ہمارے غلام بن جائیں گے، ہر طرف ہمارا ہی غلبہ ہو گا۔ اسی غلبے کو روکنے کے لیے دشمن ممالک مختلف سازشیں کرتے ہیں۔ اس ذہن کا کہنا ہے کہ نوجوانوں کے کچے ذہنوں کو شکار کرنے کے لیے نئی نئی خرافات کو جدید علوم کا نام دے کر پھیلایا گیا ہے۔ ایسے ذہن نے سامنے کے حقائق کو محض اس بات پر رد کیا ہے کہ یہ سائنسی ہیں اور مغرب سے آئے ہیں۔ الیاس طنزاً مولوی ثاقب کی پٹھان سے گفتگو بارش میں درج کرتے ہیں۔ وہ عویٰ کرتا ہے کہ زمین نہ تو گول ہے نہ گھوم رہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر زمین گھوم رہی ہو، تو پھر کوئی بھی اس پر کھڑا نہیں رہ سکتا، کیا انسان کیا عمارت ہر شے گر جائے گی۔ کمال آدمی ہے اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ اگر محض گردش کرنے سے چیزیں گرنے لگیں، تو پھر گاڑی میں کوئی بھی چیز قائم نہ رہ سکے، جب تک یکساں رفتار میں بس چلتی ہے تو ہر شے اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے، اگر یکدم رفتار میں فرق پڑے، تو صرف اسی صورت میں مسافروں یا بس میں پڑی چیزوں کو جھٹکا لگتا ہے اور گردشی حرکت کا کمال تو یہ ہے کہ موت کے کنویں میں کار اور موٹر سائیکل عموداً قائم رہ جاتی ہیں، زمین تو پھر بہت بڑی ہے۔ مولوی ثاقب بڑی صراحت سے بیان کرتا ہے کہ اس نے مدینہ یونیورسٹی کے ایک عالم کا فتویٰ پڑھ لیا ہے جس کے مطابق زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد چکر لگا رہا ہے، جو اس حقیقت کو نہیں مانے گا وہ کافر ہے۔

اسی طرح پاکستان میں ایٹمی توانائی کے سینئر سائنس دان نے دعویٰ کیا ہے کہ پاکستان کی توانائی کی ضروریات کو آگ سے بنی مخلوق جنوں کے ذریعے پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تجویز ہے کہ تمام ملک سے عاملوں کو جمع کیا جائے، جو اپنے موکلوں کے ذریعے بجلی پیدا کریں، تاکہ پاکستان کی تقدیر بدل جائے۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ ایسے نام نہاد سائنسدانوں کی ۱۹۸۰ء کی دہائی میں حاکمِ وقت نے بڑی فراخ دلی سے سرپرستی کی۔ یہ وہ ذہنی صورتِ حال ہے جس کی فضا میں شدت پسندی اور راسخ العقیدگی پروان چڑھیں۔ اور انہی کے نتیجے میں مسلکی عصبیت کا پودا درخت بن گیا۔

مسلکی عصبیت کے نمونے الیاس کے دیگر ناولوں میں بھی موجود ہیں۔ ان میں خاص طور پر اقلیتوں کے حوالے سے اکثریت کے تشدد کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کی ایک صورت تو وہ تصورات ہیں، جن کی بنیاد پر کسی خاص مسلک سے تعلق رکھنے والا دیگر مسالک کے ماننے والوں سے نفرت کرتا ہے۔ اس حوالے سے کہر میں اقلیتوں کے خلاف ہونے والے جلسے جلوسوں کو بیان کیا گیا ہے۔ الیاس نے دکھایا ہے کہ کس طرح ایک خاص دور میں ان اقلیتوں سے نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ ناول کے اس حصے میں الیاس نے اپنے بیان کو بے جا ہمدردی یا بے جا مخالفت کی بھینٹ چڑھنے نہیں دیا۔ ان کے بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ محض ظالم اور ظلم کے خلاف ہیں۔ یہ ظلم کسی عقیدے کی بنا پر ہو یا سماجی و معاشی بنیادوں پر، الیاس اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ یہ بات اہم ہے کہ ان کا ہر ناول خدائے بزرگ و برتر کے نام سے شروع ہوتا ہے اور رسول اکرم صلعم سے بھی انہیں غیر معمولی عقیدت و محبت ہے۔ اس لیے انہوں نے جہاں اقلیتوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی ہے، اسے ایک ہمدرد مسلمان اور دلِ دردمند رکھنے والے انسان کی آواز کہنا چاہیے۔ کہر میں وہ سامنے لاتے ہیں کہ کس طرح ایک خاص عقیدہ رکھنے والی اقلیت کے خلاف ہر سطح سے نفرت انگیز بیانات سامنے آنے لگے۔ تحریر ہو یا تقریر، خلوت ہو یا جلوت ہر طرف سے نفرت کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ عوام کو ان کے اصل سماجی مسائل سے بے خبر رکھنے کے لیے ان کی بے چینی کا رخ کس طرح مذہبی مخالفت کی طرف موڑ دیا گیا، اس کے جابجا اشارے کہر میں موجود ہیں۔

> ''جلسے جلوس، ہنگامے، تقریریں، نعرے، بیان بازی اور اخباری سرخیاں، زبانیں زہر اگلنے لگیں۔''(۳)

نفرت کے اس طوفان کے علاوہ اقلیتوں کے ساتھ عام میل ملاقات بھی ممنوع قرار پایا۔ دیہات میں خاص طور پر یہ رویہ پروان چڑھا کہ کسی خاص مسلک یا فرقے سے تعلق رکھنے والے کا حقہ پانی بند کر دیا جاتا۔ اس سے سلام پیام، موالکت اور اس کے ہاں آنا جانا موقوف ہوا۔ یہ سلسلہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ اگر کوئی شخص قسم توڑ بیٹھتا، تو اسے دیہاتی مولوی مشورے دیتے کہ فلاں فرقے کے گھر سے کھانا کھالو، یہ گوموت کھانے کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر خالد اپنی پسند کی لڑکی کلثوم سے شادی کی قسم کا کفارہ پوچھتا ہے تو مولوی کے مشورے سے ایک اقلیتی گھرانے سے پکوڑے اور چائے منگوا کر کھائی جاتا ہے، تاکہ کفارہ ادا ہو سکے۔

مسلکی عصبیتوں اور فرقہ پسندی کے رویےکہر میں اور جگہوں پر بھی بیان ہوئے ہیں۔ الیاس نے بڑی درمندی اور افسوس سے بیان کیا کہ مسلکی نفرتیں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ مسلم تاریخ کی وہ عظیم ہستیاں جن سے غیر مسلموں کو بھی عقیدت ہے، ان کے بارے اپنے ہی مسلمان بھائی محض فرقہ پرستی کی تنگ نظری میں ناپسندیدہ باتیں کرتے ہیں۔ الیاس کے ناولوں میں یہ خصوصیت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے موضوع کے حوالے سے معلومات بھی جمع کرتے ہیں اور سنجیدہ مطالعہ بھی کرتے ہیں، تاکہ ناول میں محض جذباتی آرا سامنے نہ آئیں اور ناول تاریخی معلومات کی مدد سے زیادہ معتبر معلوم ہو۔ حضرت امام حسینؓ کے حوالے سے وہ کہر میں بتاتے ہیں کہ ان کی عظمت کا گہرا نقش دیگر مذاہب کے پیروکاروں پر بھی ہے۔ ان کی شہادت کے دن صرف مسلمان ہی نہیں، غیر مسلم بھی غم اور سوگ کی کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ ان کی قربانی کو یاد کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی تازیے اور محرم کے جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ اپنی تاریخی معلومات کو ناول میں شامل کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ حضرت امام حسین کے لیے "گجراتی، مراٹھی، تلگو زبانوں میں مرثیے اور نوحے لکھے گئے۔ بابا گرونانک نے انھیں جگت گرو قرار دیا۔" ایک طرف تو یہ عالم ہے کہ ہندوستان کی سبھی زبانوں میں آپؓ کی تعریفیں بیان ہوئی اور دوسری طرف یہ افسوسناک رویہ کہ "ان کے مرتبہ و مقام کو پامال کرنے کے لیے بغض و تعصب سے بھرا ہوا مخاصمانہ مواد چھاپ کر پھیلایا گیا کہ اصل مظلوم یزید تھا، جسے خواہ مخواہ ظالم بنا کر پیش کیا گیا۔" یہ فرقہ پسندی اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا:

"یزید اسلامی ریاست کا حاکم وقت تھا۔ حسینؓ نے اقتدار چھیننے کے لیے بغاوت کی۔ گویا تاریخ اسلام جو لکھی گئی غلط تھی۔ لہٰذا نئے سرے سے ترتیب دی جائے۔"(۴)

الیاس ایسے لوگوں کی مذمت کر رہے ہیں جو مسالک کی بنیاد پر تاریخ اسلام کی عظیم ترین ہستیوں کو بھی متنازعہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ غیروں کے طرز عمل اور اپنوں کے سلوک میں پائے جانے والے فرق کو دکھا کر مصنف نے صورتِ حال واضح کر دی ہے۔ کہر میں ان لوگوں کو بھی سامنے لایا گیا ہے، جو مذہبی تعلیم کے اداروں کو مسلکی عصبیت کے فروغ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اپنے طالب علموں میں دیگر مسالک کے لیے نفرت بھرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس ناول میں ولایت حسین شاہ صاحب کا مدرسہ مذکور ہے، جو دینی تعلیم کے اہم مرکز کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ شاہ صاحب خود مرنجاں مرنج آدمی ہیں، نیک طبیعت، رحم دل اور کشادہ نظر، انہوں نے اپنے مدرسے کی بنیاد اعلیٰ تعلیمی معیار اور محبت پر رکھی۔ تاہم یہ سلسلہ ان کی زندگی تک ہی برقرار رہا۔ ان کی وفات تک تو ادارے کی تعصبات سے پاک فضا قائم رہی۔ ان کے وصال کے بعد حالات خراب ہونا شروع ہوئے۔ جدید دور میں چلنے والی تشدد کی لہر نے ادارے کے کرتا دھرتا لوگوں میں عصبیت اور تشدد کو فروغ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے مسلک کے لیے جان لینے اور دینے کا شعور نوجوانوں میں پروان چڑھا۔ یوں مسلکی وابستگی جنون کی حدوں کو چھونے لگی۔ بیسویں صدی کی آخری تین دہائیوں میں معاملہ محض دیہات یا شہر کی حد تک نہ رہا۔ مذہبی اداروں کی مسلکی بنیادوں پر تعمیر میں حکومت نے بھی حصہ لینا شروع کیا۔ الیاس نے بیان کیا ہے کہ

مشرقِ وسطیٰ میں پائی جانے والی عرب و عجم کی سیاست نے وطنِ عزیز کے تعلیمی اداروں پر اپنے اثرات قائم کرنا شروع کیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دیگر ممالک نے یہاں کے مذہبی تعلیمی اداروں کو فنڈ مہیا کرنا شروع کیے اور ساتھ ہی اپنے مسالک کی عصبیت کو بھی پروان چڑھایا۔ اس طرح مسلکی عصبیت کی یہ آگ دو آتشہ ہو گئی۔ جب ان سب ذرائع نے وسائل میں بے پناہ اضافہ کر دیا تو جذبوں کی شدت میں بھی روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نام نہاد مذہبی اداروں اور افراد کے پاس مالی اور افرادی قوت میں بے تحاشا اضافہ ہونا شروع ہوا۔ اس اضافے کے سبب لہجوں میں بلند آہنگی اور اٹل فتووں میں تیزی آگئی۔ اس ساری صورت حال میں یہ خیالات دلوں میں گھر کرنے لگے کہ صرف ہمارے مسلک کی دینی تعبیر ہی درست اور حقیقی ہے۔ اپنی بات منوانے کے لیے فدائی جماعتیں تشکیل دی گئیں۔ ان جماعتوں کو باقاعدہ عسکری تربیت دی جانے لگی۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ

> ''نگاہ اتنی بلند اور ارادے پختہ ہوئے کہ اپنی اپنی سچائی کی روشنی کل عالم تک پھیلانے کے بلند بانگ دعوے ہونے لگے۔''(۵)

محمد الیاس کے ہاں اس صورتِ حال کے نتیجے میں اٹھنے والی تشدد کی لہر کا بیان بھی ملتا ہے۔ انھوں نے مسلکی عصبیت کے اداروں کی تربیت کے نتیجے میں نوجوانوں کے ذہن اور عمل میں آنے والی شدت پسندی کو بھی کہر میں پیش کیا ہے۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ ناول میں مذکور یار محمد کے دونوں بیٹے اس شدت پسندی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ یار محمد کا بیٹا غلام عباس ''مجاہد فورس'' میں شامل ہو گیا، عسکری تربیت حاصل کی اور مخالف مسلک کے لوگوں کو جہنم واصل کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ آخر ایک دن اس کے ارادوں کی تکمیل یوں ہوئی:

> ''مسجد امام بارگاہ میں اٹھائیس افراد عشاء کی نماز ادا کرنے میں مشغول تھے کہ 'مجاہد فورس' نے ان پر فائر کھول دیا۔ سات نمازی موقع پر ہی 'جہنم رسید' ہوئے، جن میں رضا عباس بھی شامل تھا۔ جوابی حملے میں صرف ایک مجاہد 'جہنم رسید' ہوا جو غلام عباس تھا۔''(۶)

الیاس نے اس رقت آمیز صورت حال کو بیان کیا ہے، جس میں بھائی ہی بھائی کی موت کا پروانہ لکھ رہا ہے اور بنیاد کیا ہے مسلکی عصبیت۔ یہ انتہائی افسوسناک صورتِ حال ہے، جس میں ایک ہی خاندان کے دو چشم و چراغ گل ہوئے، گل کرنے والا بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور گل ہونے والا بھی اسی گھر کا رہائشی۔ اس انتہائی تکلیف دہ صورت حال میں جب ان کا والد لاشیں اٹھانے آتا ہے، تو دونوں مسالک کے لوگ اسے دونوں بیٹوں کے لیے جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ یہ افسوسناک ہے کہ اس قتل و غارت میں بھی ظالموں کے دل نہیں پسیجے۔ ایک مسلک اگر یار محمد کے بیٹے کے جنتی ہونے کی خوش خبری سناتا ہے کہ اس نے بدعقیدہ لوگوں کو جہنم واصل کرتے ہوئے جان دی، تو دوسرا اس لیے جنت کی بشارت دیتا ہے

کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے شہید ہوا۔ دو مخالف مسالک اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوئے یار محمد کے بیٹوں کو الگ الگ وجوہ کی بنیاد پر جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ الیاس نے طنز کیا کہ:

> ''دونوں شہداء کے قائدین نے اپنے اپنے خصوصی کوٹے میں سے یار محمد اور اس کی بیوی کو شہید کے والدین ہونے کے ناتے بطور بونس جنتی ہونے کا پرمٹ عطا کیا۔''(۷)

یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ والدین نے اپنے جوان بیٹوں کی موت کا بھاری غم اٹھایا ہے، اور مسلکی قائدین خود خدا بنے ہوئے جنتوں کی تقسیم کر رہے ہیں۔ قائدین خود ہی ان طلباء کا ذہن تیار کر کے انھیں قتل و غارت پر مائل کرتے ہیں یوں دنیا اور آخرت اپنے ہاتھ میں ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ ایک گھر پر ٹوٹنے والی قیامت کو بطور مثال ناول میں بیان کر کے تشدد کے ان نتائج کو قاری کے سامنے پیش کیا گیا ہے، جو مسلکی عصبیت کی وجہ سے سامنے آئے ہیں۔ اس منتشر اور متشدد عہد کو کہر میں جس طرح پیش کیا گیا، اس حوالے سے بازغہ قندیل نے لکھا:

> ''آج کا انسان لڑ رہا ہے ایک دوسرے سے، فطرت سے، کائنات سے۔ اس کی باطن کی تاریکیوں اور گہرائیوں میں ایک جنگ جاری و ساری ہے۔ گناہوں کی دلدل کا خوبصورت راستہ اپنی بھرپور چکاچوند کے ساتھ نفس پر قابو پانے کے لیے موجود ہے، جو انسان کو بہلانے کے لیے، کوئی نہ کوئی خوبصورت بہانہ گھڑ لیتا ہے۔''(۸)

عسکری تنظیموں کی تشکیل اور ان کے اہداف و مقاصد کو سامنے لانے کے حوالے سے محمد الیاس کا ناول برف خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس ناول میں تفصیل کے ساتھ ۱۹۷۰ء کے بعد کی چار دہائیوں میں افغانستان اور اس کے بعد کشمیر میں جاری رہنے والے جہاد کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس ناول میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح مذہبی اور عسکری تنظیمیں زور پکڑ رہی تھیں۔ نجی جہاد نے کئی گروہوں کو جنم دیا، جن میں کچھ تو واقعی نوجوانوں کو عسکری تربیت دے کر افغان جہاد میں حصہ لے رہی تھیں، اور کچھ کا کام محض نعرے بازی اور ذہن سازی تک محدود تھا۔ ذہن سازی کی اہمیت مسلمہ ہے، اس لیے جو تنظیمیں باقاعدہ جنگ میں حصہ نہیں لے رہی تھیں، انھیں کم اہم سمجھنا درست نہیں ہو گا۔ یہ گروہ نوجوانوں میں عملی جنگ میں حصہ لینے کے لیے آمادگی پیدا کرنے کے حوالے سے اہم تھیں۔ اس ضمن میں جلسے جلوسوں، ریلیوں اور تربیتی کورسوں کا خصوصی کردار ہے۔ یہ وہ طریقے تھے، جن کی مدد سے نوجوان عسکری تربیت کے لیے تیار ہو جاتے۔ عسکریت پسند گروہوں کا کام تو محض ذہنی تیار فرد کو جسمانی تربیت دینا تھا۔ یہ تربیت کس طرح دی جاتی اور خود تربیت دینے والوں کے پیوستہ مفاد کون کون سے تھے، برف میں انھیں بھی سامنے لایا گیا ہے۔

جنگ کے لیے نوجوانوں کو تیار کرنے کے لیے ان کے خاندانی کوائف کو صیغۂ راز میں رکھا جاتا اور انھیں دور دراز پہاڑی مقامات پر موجود خفیہ تربیت گاہوں میں ذہنی اور جسمانی تربیت دی جاتی۔ یہ تربیت اس قدر سخت اور ذہن ساز ہوتی

تھی کہ جب افغانستان سے غیر ملکی افواج کا انخلاء ہو گیا، تو اس کے بعد بھی نوجوانوں کا جوش شہادت عروج پر تھا۔ ان کے ذہنوں کو شہادت کے لیے اس قدر بے چین کر دیا گیا تھا کہ افغان جنگ کے خاتمے کے بعد گھروں میں بے کار بیٹھنا ان کے لیے دو بھر ہو گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب سوچا گیا کہ:

> ''جامِ شہادت نوش کرنے کے متمنی متوالوں کا کیا بنے گا؟ شہادت کی حسرت دل میں لیے گھروں میں پڑے طبعی عمر میں پوری کریں گے۔ کاش کوئی نیا محاذ کھلے اور بچے کھچے مجاہدین بھے خوب بھر بھر کے جامِ شہادت نوش کریں۔''(۹)

اس عالم میں خود نوجوانوں کی اور ''زیرک منصوبہ سازوں'' کی بھی نظر انتخاب کشمیر پر پڑی۔ اس کے علاوہ فلسطین اور بوسنیا بھی جنگجوؤں اور شہادت کے متوالوں کی امیدوں کا مرکز بن گئے۔ اس ناول کا مرکزی کردار ظفر جب اپنی پسندیدہ لڑکی فخر النسا کو حاصل نہیں کر پاتا، تو اسے اپنے زخموں کا اندمال عسکری تنظیموں میں ہی ملتا ہے۔ اسی کردار کے ذریعے الیاس عسکری تربیت کے طریقوں اور عسکری تنظیموں کی اندرونی کہانی سامنے لاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ظفر کی عسکری تربیت جن خطوط پر ہوئی اسے ناول میں تفصیل سے بیان گیا گیا ہے۔ سب سے پہلے اسے شہر کے مضافات میں موجود ایک کیمپ میں اسلحہ چلانے کی تربیت دی گئی۔ اس کے ساتھ سخت جسمانی مشقیں کروائی گئیں۔ تنظیم نے ''چھاپہ مار جنگ'' میں غیر معمولی استعداد اور کامیابی کے حصول میں معاون ضروری صلاحیتیں پیدا کرنے کے لیے ایک کورس ترتیب دیا تھا۔ اس کورس میں سب سے پہلے ذہن سازی کا مرحلہ تھا، جس کے تحت ظفر کو لیکچر دیے گئے۔ اس کے بعد اسے دریا کے پار انتہائی خطرناک بیلے میں اکیلا چھوڑ دیا گیا۔ یہاں اس کے پاس محض ایک چاقو تھا۔ یہ مرحلہ کئی ہفتوں پر مشتمل تھا۔ اس دوران ظفر کے سامنے زندہ رہنے کے لیے خوراک کا انتظام خود کرنا، جانوروں سے بچنا، درندوں سے دور رہنا، نامعلوم دشمنوں، جیسے ڈکیت اور دیگر جرائم پیشہ لوگ جو اس بے آباد مقام پر ہو سکتے تھے، ان سے چوکنا رہنا اور رات کے وقت حشرات سے خود کو محفوظ رکھنا جیسے چیلنجوں کا سامنا تھا۔ اس نے گھونسلوں سے پرندوں کے انڈے پیئے، کبھی کچا گوشت شکار کر کے کھایا اور کبھی جنگلی پودوں پر اگنے والے پھلوں سے پیٹ کی آگ بجھائی، حشرات اور درندوں سے بچنے کے لیے وہ رات درختوں پر گزارتا، یوں اس سخت مشقت کے نتیجے میں اسے آئندہ آنے والے سخت ترین حالات کے لیے تیار کیا گیا اور ظفر ایک کامیاب جنگجو بن گیا۔

نجی جنگجو گروہوں کی پھیلتی ہوئی کیاریوں کا فروغ ایسا عمل ہے، جس سے حکومت نے دانستہ چشم پوشی کی۔ الیاس کے ناول میں تو یہ تک دکھایا گیا کہ خود ریاستی مشینری اس کے فروغ میں کردار ادا کر رہی تھی۔ اس کی چھتر چھایا تلے یہ سب ہو رہا تھا۔ انھوں نے لکھا کہ ''جہادی تنظیموں کو واقعی حاکمِ وقت کی سرپرستی حاصل ہے۔'' وہ مزید وضاحت کرتے ہیں:

"چونکہ ابتدا میں جدید اسلحہ کے استعمال پر لیکچر دینے والے استاد گو سادہ لباس میں تھے، لیکن ان کی بات چیت اور ظاہری حلیے سے پتا چل رہا تھا کہ وہ فورسز کے لوگ ہیں، حاضر سروس یا ریٹائرڈ۔ ان کی چابک دستی اور مہارت اس امر کی غماز تھی کہ وہ سویلین قطعاً نہیں۔"(۱۰)

اس مثال سے ظاہر ہے کہ عسکری تنظیموں کو ریاستی اداروں کی مدد حاصل تھی۔ اس امداد کا نتیجہ تاہم عین مین وہی نہ نکل سکا، جو ریاست کے پیش نظر تھا۔ ان تنظیموں کی ذہنی تربیت میں نفرت اور شدتِ جذبات کو زیادہ عمل دخل تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستانی نوجوانوں میں عمومی طور پر نفرت اور جذباتی شدت مزاج کا بنیادی حصہ بن گئی۔ سیاہ و سفید میں چیزوں کو سمجھنے کے نتیجے میں مسلکی عصبیت کو فروغ ملا اور فرقہ پرستی تیزی سے پھیل گئی۔ نفرت سوچوں کا محور بنی تو غیر مسلم قوتوں کے ساتھ ساتھ مختلف مسالک سے بھی نفرت کا سلسلہ شروع ہوا۔ جہاد میں معروف تنظیموں کے علاوہ ایسی تنظیمیں جو محض نام کی حد تک جہادی تھیں، ان کا کردار فرقہ پرستی کے حوالے سے خصوصی طور پر اہم ہے۔ الیاس نے دکھایا ہے کہ یہی نام نہاد تنظیمیں مفرور ملزموں کی محفوظ آماجگاہ تھیں۔ نیک نیتی سے جہاد کرنے والی تنظیموں کی بجائے ان کا شور اور غلغلہ زیادہ تھا۔ ایسی تنظیمیں مقدس فریضے سے وابستہ "مخلص" افراد کو دھوکا دیتیں۔ ان کا مال اور جان اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتیں۔ ایسی تنظیموں میں فرقہ پرست گروہ حاوی تھے، جو دیگر مسالک کے خلاف نفرت انگیز لٹریچر شائع کرتے۔ دیواروں پر نفرت سے بھرے جملے لکھواتے اور مختلف جرائم میں ملوث افراد کو محفوظ پناہ گاہیں فراہم کرتے۔ عسکری تنظیموں سے پہنچنے والے نقصانات میں ایک اہم قومی ہم آہنگی کو پہنچنے والا نقصان ہے۔ آزاد کشمیر میں تنظیموں کی آمد سے قبل مسلکی اور نسلی ہم آہنگی موجود تھی۔ لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے۔ ان تنظیموں کی آمد کے بعد فضا یہاں مکدر ہو گئی۔ نفرت نے ڈیرے جما لیے:

"فرقہ پرست جنونیوں کے علاوہ وہ جرائم پیشہ عناصر بھی جعلی تنظیموں میں شامل تھے۔ جن میں سے کئی ایک چوریوں، ڈکیتیوں اور غیر اخلاقی جرائم کا ارتکاب کر رہے تھے۔ شواہد سے پتا چل رہا تھا کہ ملک کے دیگر حصوں سے گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں چوری کر کے آزاد کشمیر لائے جا رہے ہیں اور نام نہاد عسکری تنظیموں کے کمانڈروں کے استعمال میں ہیں۔"(۱۱)

برف میں ظفر کی مدد سے ایسے نوجوانوں کو سامنے لایا گیا ہے، جو اس ساری سرگرمی کا حصہ تھے۔ نوجوانوں میں زیادہ تر ذاتی ناکامیوں کا بوجھ لیے پھرتے تھے، جنھیں جنت کے سہانے خوابوں نے ایک امید دلائی۔ ان نوجوانوں کے کردار میں جو قدر مشترک تھی، اس کو ظفر نے یوں بیان کیا:

"ہم جتنے بھی ساتھی مجاہد تھے، ایک بات سب میں مشترک پائی گئی، ضد اور ہٹ دھرمی۔ گردن تڑوا لینی ہے لیکن باز نہیں آنا۔"(۱۲)

افغان اور کشمیر جہاد نے ان نوجوانوں کے حوصلے اتنے بلند کیے کہ یہ اپنی ہی ریاست کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب ان کی نظریں ریاست کو کنٹرول کرنے پر تھیں۔ الیاس نے افسوس کے ساتھ لکھا ہے کہ جو لوگ اسلام کی سربلندی کے لیے لڑ رہے ہیں وہ اسلام کے نام پر بننے والی ریاست کے ہی درپے ہو گئے ہیں۔ یہ کتنا بڑا تضاد ہے۔ انھوں نے مثال دی کہ یہ ایسے ہی ہے، جیسے انسان جس درخت پر بسیرا کرے، اس کی جڑیں کاٹنا شروع کر دے۔ ان کرداروں کی مثال سے واضح ہوتا ہے کہ عسکریت کی مالی مدد کرنے والے اور عسکریت پسند تنظیموں کا حصہ بننے والے کون لوگ تھے، کیا سوچ رہے تھے، ان کی شخصیتیں کیسی تھیں اور مقاصد کیا تھے۔ الیاس کے ناولوں کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنے ماحول سے کٹے ہوئے نہیں ہیں۔ انھوں نے فن کو محض اپنے تخیل کی جولانیاں دکھانے کا وسیلہ نہیں بنایا۔ وہ خود کو بہت مضبوط طریقے سے اپنے وطن اور اس کے مسائل سے جڑے ہوئے ہیں۔ دہشت پسند تنظیموں اور اس کو مالی امداد فراہم کرنے والوں کی شخصیتوں کو ناول میں تفصیل سے بیان کرنے کے علاوہ الیاس نے اس ساری صورت حال کے نتائج کو بھی بیان کا حصہ بنایا ہے۔ یعنی ان کے ناول تنظیموں کی اندرونی صورت حال پیش کرنے کے علاوہ وطنِ عزیز کو ان سے جو نقصان اٹھانا پڑا اس کو بھی کھول کر بیان کرتے ہیں۔ محمد الیاس نے دکھایا ہے کہ عسکریت کے بڑھتے اثرات نے ملک میں امن و امان کی صورت حال کو انتہائی مخدوش بنا دیا ہے۔ تخریب کاری اور دہشت گردی کی وارداتیں عام ہو گئیں اور ان سے کوئی شعبۂ زندگی محفوظ نہ رہا۔ حالت یہاں تک ناگفتہ بہ ہو گئی کہ ان حملوں سے قانون نافذ کرنے والے ادارے اور فوج بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ مختلف فرقوں کے عسکری گروہ ایک دوسرے پر مسلسل حملے کرنے لگے اور ایک دوسرے کو بے دریغ قتل کرنے لگے۔ بم دھماکوں، خودکش حملوں، لوٹ مار، قتل و غارت، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان کا ایسا سلسلہ دراز ہوا کہ ریاستی مشینری اپنے عوام کو ان سے محفوظ رکھنے میں بری طرح ناکام ہو گئی۔ عوامی مقامات، بازار، میدان، پارک، شاہراہ جہاں عسکریت پسندوں کا دل چاہتا خون کی ہولی کھیلتے اور بے گناہ عوام کی بوٹی بوٹی ہوا میں اڑا دیتے۔

اس مخدوش صورت حال نے خوف کی فضا پورے ملک میں طاری کر دی۔ بچے، بوڑھے، جوان مرد و عورت جو بھی گھر سے باہر قدم نکالتا، اسے یہی دھڑکا لگا رہتا کہ وہ بہ حفاظت واپس گھر آ بھی سکے گا یا نہیں۔ ایسے میں ٹی وی چینلوں کی چاندی ہو گئی۔ اخلاقیات، قانون ضابطۂ اخلاق سب کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ٹی وی والوں نے انسانی جسموں کے چیتھڑے، خون کے لوتھڑے، کٹے ہوئے اعضاء تباہ شدہ اور جلتی ہوئی املاک، لوگوں کی بے بسی، چیخیں، آہیں، آنسو اور فریادیں، نیلامی پر چڑھاتے دکھائیں۔ محمد الیاس نے دہشت گردی کے ناسور کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات اور ان کی سنگینی کو ناولوں میں محفوظ کر لیا ہے۔ یہ وہ آزار ہے جو پچھلے کئی برس سے وطن عزیز کے وجود کو تار تار کر رہا ہے، اس کے رہنے والوں کی زندگیوں کو اجیرن بنا چکا ہے، اور ہزاروں شہری، فوجی اور پولیس کے افراد کی بھینٹ لے چکا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد الیاس، بارش (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص ۶۰۸۔

۲۔ ایضاً، ص۶۰۸۔

۳۔ محمد الیاس، کہر (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص ۳۲۴۔

۴۔ ایضاً، ص ۵۴۰۔

۵۔ ایضاً، ص۵۳۹۔

۶۔ ایضاً، ص۵۴۶۔

۷۔ ایضاً

۸۔ بازغہ قندیل، ''اردو ناول میں زوالِ فطرتِ انسانی کی تمثیلیں،'' (مقالہ برائے ایم فل، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۶۷۔

۹۔ محمد الیاس، برف (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۱

۱۰۔ ایضاً، ص۹۵۔

۱۱۔ ایضاً، ص۱۱۱۔

۱۲۔ ایضاً، ص۴۱۲۔